© rasailojaraid.com

دوامِ حدیث

قسط ۵

حضرت العلام مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی
مد ظلہ العالی

ایک اسلام

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سینکڑوں احادیث کے راوی ہیں لیکن علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ رحلت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وقت ان کی عمر صرف تیرہ برس کی تھی۔

الجواب:

اس سے لازم نہیں آتا کہ سب کی سب ان کی مسموع ہیں بلکہ دوسرے صحابہ سب سن کر بیان کرتے ہیں۔ اور تیرہ برس کا لڑکا ہوشیار ہوتا ہے۔ بعض افراد عقل و تمیز میں بالغوں کی طرح ہوتے ہیں۔

۲۔ "ہمارے سوانح نگاروں میں ایک خاص نقص تھا کہ وہ کسی کردار پر تنقیدی نگاہ ڈالنے کے عادی نہیں تھے، ہمیشہ حسنِ ظن سے کام لیتے تھے اور مبالغہ آمیز مدح سرائی پر اتر آتے تھے۔ اس وقت تذکرۃ الحفاظ میرے سامنے پڑا ہے جس میں ہزارہا راویان اور حفاظِ حدیث کے حالات مرقوم ہیں۔ میں ایک ہی دور کے چند راوی لے کر ان کی زبانی ان کی کہانی سناتا ہوں جس سے آپ اندازہ لگا سکیں گے کہ ہمارے بزرگوں کا اندازہ کردار نویسی کیا تھا؟

مثلاً علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب کے متعلق لکھتے ہیں، آپ رات دن میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ اگر سونے کھانے، ضروری حاجات اور وضو کیلئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کم از کم آٹھ گھنٹے الگ کر لئے جائیں تو باقی سولہ گھنٹے بچتے ہیں۔ اگر ہر رکعت پر اوسطاً دو منٹ صرف ہوں تو یہ تینتیس گھنٹے اور ۲۰ منٹ بنتے ہیں اور ظاہر ہے کہ سولہ گھنٹوں میں تیس گھنٹوں کا کام سرانجام نہیں دیا جا سکتا"

الجواب :

اس کا جواب لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ ایک رکعت ایک منٹ میں بھی پڑھی جا سکتی ہے اور کھانے سونے اور دیگر ضروریات کے لئے بجائے آٹھ گھنٹوں کے چھ گھنٹے بھی لگائے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ نیند کی مقدار طبعی ہر شخص کے لئے الگ الگ ہے۔ بعض آدمی صرف دو گھنٹہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ ہم نے ایک آدمی دیکھا ہے جس کی نیند طبعی اس سے بھی کم ہے۔ اس وقت اس کی عمر چالیس سال سے متجاوز ہے اور اس کی صحت بھی بالکل ٹھیک ہے۔ پھر اس میں ذہبی کا کیا قصور ہے، وہ تو ناقل ہے، امام مالک سے نقل کر رہا ہے۔ امام مالک نے بھی بَلَغَنِیْ سے بیان کیا ہے۔ اور محدثین کے طریق پر یہ اثر صحیح نہیں۔ اگرچہ جو کچھ بیان کیا ہے، عقلاً ممکن ہے۔

۳۔" اس سے آگے دو اسلام میں آٹھ آدمیوں کا ذکر ہے۔ جن کے متعلق ذہبی نے نقل کیا ہے کہ وہ اعلیٰ درجے کے عالم تھے، ہم نے ان کو جدول میں بیان کر دیا ہے۔

نام	عربی عبارت	ترجمہ
مطرف بن عبداللہ وفات ۹۵ھ	کان رأساً فی العلم والعمل	علم و عمل میں سردار تھے (تذکرۃ)
محمد بن سیرین وفات ۱۱۰ھ	عزیز العلم ثقۃ راس فی الورع	علم میں بے مثال، قابل اعتماد اور عمل یعنے تقویٰ میں سردار (ص ۶۷)
.	. . .	. . .

اعتراض یہ ہے کہ دونوں ہم عصر اور دونوں علم و عمل میں سردار ——— یہ کیسے ممکن ہے؟

جواب :

بالکل فضول اعتراض ہے کہ دو آدمی علم اور عمل میں سردار نہیں ہو سکتے۔ حالانکہ یہ کوئی مستبعد نہیں۔ علم میں سردار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا مرتبہ علم میں بلند تھا۔ ایک سے زیادہ آدمیوں کا مرتبہ علم میں بلند ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

"وجعلناھم ائمۃ"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ "ہم نے ان کو امام بنایا"

دونوں کی وفات میں بھی فرق ہے، سرداری کی نوعیت میں بھی اختلاف ہے۔ مطرف کے متعلق علم وعمل میں سردار لکھا ہے، محمد بن سیرین کے متعلق پرہیزگاری میں سردار لکھا ہے۔ وغیرہ وغیرہ!

(ج) طاؤس بن کیسان (وفات ۱۰۶ھ) کان لا اسانی العلم و رع — علم اور پرہیزگاری میں سردار تھے

(د) ابوصالح ذکوان (وفات ۱۰۱ھ) من اجل الناس واوثقھم — سب سے زیادہ بزرگ اور بڑا قابلِ اعتماد (تذکرہ ص۸۷)

(ر) شعبی — ما رأیت اعلم وافقہ من شعبی — شعبی سے بڑا عالم اور فقیہ میں نے نہیں دیکھا۔

(س) عکرمہ (وفات ۱۰۵ھ) ما بقی احد اعلم لکتاب اللہ من عکرمۃ (یہ شعبی کا قول ہے) — عکرمہ سے بڑھ کر کتاب اللہ کا عالم باقی نہیں رہا۔

(ح) قاسم بن محمد بن ابی بکر (وفات ۱۰۶ھ) ما رأیت فقیہا اعلم من القاسم — میں نے قاسم سے کوئی فقیہ بڑا عالم نہیں دیکھا۔

(ذ) عطاء بن ابی رباح (وفات ۱۱۴ھ) ما رأیت افضل من عطاء — میں نے عطاء سے افضل کوئی نہیں دیکھا۔ (ص ۹۲)

(اعتراض) دیکھا آپ نے سوانح نویسی کا انداز، یہ سب محدثین ہم عصر تھے۔ ذہبی نے ہر ایک کو بے مثال سب سے بڑا عالم سردار قرار دے رکھا ہے۔

الجواب:

یہ ہے تنقید، آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ بڑا عالم اور سردار کے معنی ہیں بے نظیر، اور غلط فہمی کی یہی وجہ ہے۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ کہنے والا ایک شخص نہیں، ہر ایک شخص اپنے علم کے مطابق کہہ رہا ہے۔ نیز افضل، اعلم میں فرق ہے۔ علاوہ ازیں "بڑا عالم" اور "بڑا فقیہ عالم" ان میں بھی فرق ہے۔ اسی طرح بڑا عالم، قرآن سے بڑا واقف، ان میں بھی فرق ہے۔ سردار اسم تفضیل نہیں۔ اعلم اسم تفضیل ہے مگر اثبات اور نفی میں فرق ہوتا ہے۔

ایک اور اعتراض:

۴۔ رحلتِ حضور سے صرف تین برس پہلے حضرت ابوہریرہؓ مشرف بہ اسلام ہوئے تھے لیکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روایت احادیث میں سب سے بازی لے گئے اور احادیث بھی ایسی کہ سارا قرآن ایک طرف اور ابوہریرۃؓ کی احادیث دوسری طرف۔ یہ ایک مرتبہ پٹے بھی۔ لیکن روایت سے باز نہ آئے۔

واقعہ یوں ہے کہ آپ رسولِ اکرم صلعم کے ہاں تشریف لے گئے۔ حضور نے فرمایا کہ اسے ابوہریرۃؓ جا اور ہر اس شخص کو جنت کی بشارت دے دے جس نے زبان سے " لاالٰہ الّا اللہ " کہہ دیا ہو۔ اور ابوہریرہ باہر نکلے تو سب سے پہلے حضرت عمر بن خطاب سے ملاقات ہوئی اور یہ بشارت سنائی۔ عمر نے ابوہریرۃؓ کو ایک زور کا تھپڑ رسید کیا۔ ابوہریرۃؓ روتے ہوئے دربارِ رسالت میں پہنچے، پیچھے پیچھے عمر بھی پہنچ گئے۔ حضور نے پوچھا کہ اسے کیوں پیٹا ہے؟ کہا کیا آپ نے صرف لا الٰہ الّا اللہ کہنے پر جنت کی بشارت دی ہے؟ فرمایا۔ ہاں! عمر نے کہا ازراہِ نوازش ایسا نہ کیجئے ورنہ لوگ تمام اعمال ترک کر دیں گے "فخلھم یعملون" (آپ لوگوں کو کام کرنے دیں) حضور نے فرمایا، بہت اچھا لوگوں کو کہہ دو کہ کام کریں"۔

صحیح مسلم صفحہ ۲۰۵، کتاب الایمان مطبع مجتبائی)

ملاحظہ کیا کتنی دلچسپ حدیث ہے! صرف دو لفظ منہ سے نکالو اور جنت لے لو۔ نہ صوم وصلوٰۃ کی ضرورت، نہ میدان جہاد میں لہو بہانے کی حاجت، نہ صدقہ زکوٰۃ کے جھمیلے اور نہ جہاد اکبر و اصغر کے جھگڑے۔ دوسری دلچسپی یہ کہ حضرت فاروق، بارگاہِ رسالت کو حکم دیتے ہیں " تلا تفعل فخلھم یعملون " آپ لوگوں کو ایسی احادیث نہ سنایا کیجئے، مطلب یہ کہ ایسی احادیث سنا کر انہیں خراب نہ کیجئے اور لوگوں کو کام کرنے دیجئے۔ یعنی مذہب کے معاملہ میں حضرت فاروق سرورِ کائنات کی راہنمائی فرما رہے ہیں اور لطف یہ کہ حضور اس حکم سے سرتابی کی جرأت نہیں کر سکتے اور فرماتے ہیں " فخلھم " (بہت اچھا لوگوں کو کام کرنے دو)

بدیگر الفاظ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتراف فرمالیا کہ ان کی حدیث (من قال لا الٰہ الّا اللہ) سے لوگ بے عمل ہو سکتے تھے۔ غور فرمایئے کہ اس حدیث نے حضور پُرنور کی منزلت کو کتنا کم کر دیا کہ ان کا طفلِ مکتب ان کو سیدھا راستہ دکھا رہا ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ حضرت ابوہریرۃؓ اس قسم کی احادیث تراشا کرتے تھے۔ بلکہ یہ ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا رلوگ گھڑ گھڑ کران کا نام جڑ دیتے تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابوہریرۃ خود بھی روایت میں قدرے غیر محتاط واقع ہوئے ہوں۔" (دو اسلام، صہ ۵۶، صہ ۵۷، صہ ۵۸)

جواب:

ا۔ معترض نے حدیث میں کچھ قطع و برید سے کام لیا ہے۔

ب۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔

ج۔ حضرت عمرؓ کا مطلب نہیں سمجھے۔

حدیث میں قطع برید اس طرح کیا گیا ہے، کہتے ہیں: "صرف دو لفظ منہ سے نکالو اور جنت لے لو، نہ صوم نہ صلوٰۃ کی ضرورت، نہ میدانِ جہاد میں جانے کی حاجت الخ"

حالانکہ حدیث میں صرف منہ سے کہنے کا ذکر نہیں بلکہ یہ لفظ بھی ہیں "مستیقنا بها قلبه" اس پر دل سے یقین کرے۔ جب دل سے یقین کرے گا تو یقین کے لوازمات کا ہونا بھی اس میں ضروری ہے۔ یعنی جو اس امر کا دل سے یقین کرے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو لامحالہ غیر اللہ کی عبادت سے الگ رہے گا اور اللہ کی عبادت کرنے پر آمادہ ہوگا۔ اور جو اللہ کی عبادت پر آمادہ ہوگا تو اس کے متعلق یہ فرض کر لینا (کہ وہ بالکل صوم و صلوٰۃ وغیرہ سے عاری ہوگا) آپ جیسوں کا ہی کام ہے۔

دوسری غلطی یہ کی ہے کہ اپنی طرف سے "ہر اس شخص کو جنت کی بشارت دے" لکھ دیا ہے۔ حالانکہ حدیث کا مفہوم یہ ہے، "جو شخص تجھے اس باغ کے آگے ملے اور صدق دل سے "لا الٰہ الا اللہ" کہتا ہو، اس کو جنت کی بشارت دو۔ غالباً یہ اشارہ انہی لوگوں کی طرف تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لئے آ رہے تھے جن کے آگے حضرت عمرؓ تھے۔ یا آپؐ کا اشارہ حضرت عمرؓ کی طرف ہو اور حضرت ابوہریرۃؓ نے جب حضرت عمرؓ کو یہ بشارت دے دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل ہوگئی۔ حضرت عمرؓ اس بات کو سمجھ گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہی تھی مگر لفظاً چونکہ کوئی قید نہ تھی جس سے صرف وہی لوگ سمجھے جائیں جو آ رہے تھے یا صرف حضرت عمرؓ ہی مراد لئے جائیں اور دل سے لا الٰہ الا اللہ پڑھنا اگرچہ بظاہر عملی کوتاہی سے بند کرتا ہے۔ مگر سب لوگ سمجھ میں اتنے نکتہ رس نہیں ہوتے کہ بات کی تہ تک پہنچ جائیں۔ حضرت عمرؓ نے غالباً یہی سمجھا ہوگا کہ آنحضرتؐ کی یہ بشارت میری آزمائش کیلئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ عمرؓ بھی نکتہ رس ہیں یا نہیں۔ سو حضرت عمرؓ نے اپنی روش سے اپنی نکتہ رسی کا ثبوت دے دیا اور حضرت عمرؓ نے جو کچھ بھی کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد کو پا کر کیا۔ اگر آپؐ کا وہ مقصد نہ ہوتا جو حضرت عمرؓ نے بیان کیا تو آپؐ اس کی تردید کرتے۔ جیسے حدیبیہ میں کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت اس بنا پر نہ تھی کہ حضرت عمرؓ کے کہنے سے پہلے آپؐ اس مصلحت سے واقف نہ تھے۔

اس میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ ابوہریرۃؓ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حدیث کے مبلغ تھے اور مبلغ کے لئے موقع شناسی بھی ضروری ہے۔ اس واقعہ سے ان کو موقع شناسی کا واقف بنایا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ابوہریرۃؓ فرماتے ہیں:

"میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو قسم کی کتابیں پڑھی ہیں۔ ایک کتاب تو سنا چکا ہوں اگر دوسری کتاب کی حدیثیں بھی سناؤں تو میری رگ کاٹ دی جائے"۔ (بخاری)

یہ موقع شناسی کا ملکہ انہیں پیدا ہو گیا اور یہ سمجھ گئے کہ سامعین ان احادیث کے متحمل نہیں ہو سکتے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم بادشاہوں کے متعلق نام لے کر فرمائی تھیں۔ . . . کیونکہ خطرہ تھا کہ لوگ ان کا نام سن کر کہیں بغاوت پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ اگر بالفرض حدیث مذکور میں یہ الفاظ "مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ" نہ ہوں۔ صرف یہی لفظ ہوں مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" (جو لا الٰہ الا اللہ کہے) اس کا مطلب بھی یہی ہو گا کہ جو لا الٰہ الا اللہ کا قائل یعنی معتقد ہو، وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ جیسے قرآن مجید میں ہے:

"إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ٥ أُولٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ" (احقاف)

کہ "جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پر جمے رہے، ان پر نہ ڈر ہے نہ غم کھائیں گے، یہ لوگ جنتی ہیں"۔

اب ظاہر ہے کہ قرآن مجید کا مقصد اس جگہ یہی ہے کہ جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر جما رہا (اور اپنے اس عقیدے کا ثبوت عملی طور پر بھی پیش کیا) وہ جنت میں داخل ہو گا ——— مذکورہ حدیث [illegible] ہے!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر کوئی منکر قرآن یہ کہے کہ "عجیب آیت قرآنی ہے، صرف دو لفظ (ربنا اللہ) منہ سے نکالو اور جنت لے لو، نہ صوم و صلوٰۃ کی ضرورت، نہ میدانِ جہاد میں لہو بہانے کی حاجت، نہ زکوٰۃ و صدقات کے جھمیلے، نہ جہاد اکبر و اصغر کے جھگڑے ۔۔ " تو کیا یہ بات آپ کے نزدیک معقولیت پر مبنی ہو گی؟ ۔۔۔ یقیناً آپ کا جواب نفی میں ہو گا۔

اسی طرح جو منکر قرآن اس آیت کو سنے جو قرآن مجید میں دو جگہ وارد ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ" (سورہ نساء)

کہ "اللہ تعالیٰ شرک معاف نہیں کرتا، اس کے سوا جسے چاہے معاف کر دے!"

۔ ۔ تو کہہ سکتا ہے کہ یہ عجیب قرآن ہے جو ہر گناہ کی چھٹی دیتا ہے، زنا کرو، شراب پیو، سب برے کام کرو، صرف شرک نہ کرو، تو کیا یہ اس آیۂ قرآنی کی صحیح تفسیر ہو گی!

غرض یہ ہے کہ ہر کلمہ کو عصبیت کی نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہیئے بلکہ تحقیقی نظر سے دیکھنا چاہیئے پہلے یہ سوچ لینا چاہیئے کہ یہ اعتراض میری مسلمانی پر تو نہیں پڑتا۔ مگر جس شخص کی غرض محض تخریب ہو، اسے ان باتوں سے کیا مطلب؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی بطور امتحان بھی کوئی بات کہہ دیتے تھے جس سے مقصد تعمیل حکم نہ ہوتا بلکہ صحابہ کرام کی تعلیم و تربیت کا امتحان مقصود ہوتا۔ ایسی صورتوں میں صحابہؓ کو مشورہ اور اس کی وجہ معلوم کرنے کی اجازت نہ ہوتی تھی یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ بسا اوقات آپؐ کی رائے کے خلاف مشورہ دیتے تھے (اور اس کے لئے مشورہ دینے والے کو مطعون نہیں کیا جاسکتا کیونکہ مشورہ خلوص نیت سے دینا اور اپنی رائے کے مطابق دینا ضروری ہوتا ہے) اس قسم کے واقعات بہت ہیں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے خلاف لوگوں نے رائے دی۔ اور آنحضرتؐ نے ان کی رائے پر عمل بھی کیا جیسے غزوۂ احد میں آپؐ کی رائے تھی کہ مدینہ میں رہ کر لڑنا بہتر ہے مگر صحابہ کرامؓ مدینہ سے باہر نکل کر لڑنے کے حق میں تھے، اور اسی پر عمل ہوا۔

اسی طرح بدر کے موقع پر آپؐ نے جہاں پہلے قیام کیا، صحابہؓ کے مشورہ سے اس مقام کو چھوڑ کر دوسری جگہ قیام فرمایا۔ اور حضرت عمرؓ کو یہ خصوصی اجازت آپؐ نے مرحمت فرمائی تھی کہ اگر میری نرمی سے کوئی فائدہ اٹھائے تو تم اس پر سختی کر لیا کرو، جبتک میں منع نہ کروں ۔۔۔۔ اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپؐ کی تربیت نہایت اعلیٰ اور مؤثر تھی۔

(باقی - باقی)

© rasailojaraid:com